عہد رسالتؐ کے معاہدے اور اُن کی افادیت: ایک جائزہ

سید حیدر شاہ*

Islam is a religion of peace and tranquility. In Islam, Jihad is permissible only against the combatants. The objective of the Jihad is not to occupy countries or lands but to eradicate mischief. It is not the purpose of Jihad to forcibly bring the people into the fold of Islam. On the part of non-Muslims , Islam allows to accept their offer of peace without their conversion to Islam.

The Holy Prophet (PBUH) spent whole of his life for the maintenance of peace and in the eradication of persecution from the society. Before the advent of Islam in Makkah, the Holy Prophet (PBUH) participated in a truce called Hilful-Fuzul which was aimed at protecting and safeguarding the rights of the oppressed. During the construction of Kabah, the differences on the fixation of Black Stone (Hajr-i-Aswad) emerged among the various tribes of Makkah and due to the judicious decision of the Holy Prophet, the collision of tribes was averted. After his migration to Madina, tribes residing in Madina were welded together by a treaty called Mithaq-i-Madina. In this treaty, common interests of the tribes and the peace of Madina was ensured. Religious freedom was also ensured to all the tribes who joined the treaty. The tribes living in the surrounding of Madina, were made bound to maintain peace. After the continuous aggression on the part of Quresh-i-Makkah, they were convened to sign a treaty called Truce-i-Hudaibiyah. The Jews of Khyber were defeated and they were made bound to live with peace. In 8 A.H, Makkah was conquered due to the violation of treaty of Hudaibiyah on the part of Quresh. All the inhabitants of Makkah were given general amnesty. This general amnesty resulted the acceptance of Islam by his opponents, and they became the supporters of Islam. On the condition of the payment of Jazia, the Christians of Najran were obliged to maintain peace. The tribes of Banu

* اسسٹنٹ پروفیسر، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔

Mustaliq and Banu Hawazin were subdued after the battles, but instead of wreaking revenge, all their captives were set free.

By his judicious strategy, he brought all the tribes of Arabia under the banner of Islam. Peace and tranquility prevailed in the region. Due to his efforts, he is rightly called the Prophet (PBUH) of peace and tranquility.

سرکش طاغوتی قوتوں کے خلاف مسلح جدوجہد اسلام کا ایک مقدس فریضہ ہے۔یہ گویا ایک طرح کا نظامِ دفاع ہے جو اسلام کی بقاء و سلامتی کے لیے ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ مجاہدین پسند ہیں جو اس کی راہ میں اعدا اسلام کے خلاف سیسہ پلائی دیوار کی مانند سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللہ یحب الذین یقتلون فی سبیلہٖ صفاً کانھم بنیٰن مرصوص[۱]

''اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پگھلایا گیا ہے''

آنحضرت ﷺ نے انسان کے بہترین اعمال میں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد اس کی راہ میں جہاد کو بتایا ہے۔

عن ابی ذرؓ قال قلت یا رسول اللہ ﷺ ای الاعمال افضل، قال الایمان باللہ والجہاد فی سبیلہ[۲]

''حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اعمال میں سے افضل عمل کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد''

آنحضرت ﷺ نے جارحین کے خلاف مسلح جدوجہد کو جنت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے، ارشاد ہے،

واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف[۳]

''جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے''

لیکن بایں ہمہ اسلام بنیادی طو پر امن و سلامتی کا دین ہے۔اسلام نے دنیا کو احترام و تحفظ انسانیت کا درس دیا ہے، خالق کائنات کے نزدیک کسی بے قصور انسان کا قتل ساری انسانیت کی ہلاکت کے مترادف ہے۔ارشاد باری ہے:

من قتل نفساًبغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً[۴]

''جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا

دی جائے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا''

اسلام میں جہاد و قتال کی مشروعیت بھی انسانی معاشرے میں فتنہ و فساد کے انسداد اور امن و سلامتی کی بحالی کے لئے ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

و قاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنة و یکون الدین للّٰہ'' ۵

''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) خدا ہی کا دین ہو جائے''

مولانا مودودیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں ''قوت کا استعمال اسلام میں اگر ہے تو دو ضروریات کے لیے ہے، ایک یہ کہ اسلامی ریاست کے وجود اور اس کے استقلال کی سلامتی کے لیے میدان جہاد میں دشمنوں کا مقابلہ کیاجائے اور دوسرے یہ کہ نظم و نسق اور امن وامان کے تحفظ کے لئے جرائم اور فتنوں کا سدباب کرنے کے لیے عدالتی اور انتظامی اقدامات کیے جائیں ۔۶ قوت کا استعمال صرف برسر جنگ لوگوں کے خلاف ہوتاہے۔ اور ان کے ساتھ بھی کسی زیادتی کی اجازت نہیں۔فرمان الٰہی ہے:

و قاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین۷

''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''

دین اسلام میں قتال کی اجازت تو آخری چارہ کے طور پر ہے۔ متحاربین بھی اگر محاذآرائی ترک کرکے مصالحت پر آمادہ ہوں تو ان کی یہ پیشکش قبول کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے:

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللّٰہ۸

'' اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو''

داعی اسلامﷺ کی پوری حیات طیبہ انسانی معاشرے میں امن و سلامتی کے قیام اور فتنہ و فساد کے خلاف جدوجہد سے عبارت ہے۔ آپﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے وقت عرب معاشرہ عموماً تہذیب و تمدن سے عاری اور کسی مرکزی حکومت کے نظم و نسق سے محروم بدویانہ طرز زندگی کا خوگر تھا، ہر نوع کی برائی و بدامنی عام تھی، بدویوں کے علاوہ شہری زندگی بھی ان ہی مصائب و مشکلات میں گھری ہوئی تھی، حتٰی کہ تمام عرب کے نزدیک قابل احترام شہر مکہ مکرمہ میں بھی مسافروں اور بے کسوں کا استحصال ایک معمول بن چکاتھا،مثلاً ایک مرتبہ قبیلہ زبید کا ایک تاجر سامان تجارت لے

کر مکہ مکرمہ آیا، یہاں کے ایک شخص عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا مگر اس کا حق روک لیا۔ اس نے مکہ کے مختلف قبائل سے داد رسی کے لیے التجا کی مگر کسی نے بھی توجہ نہ دی، آخر اس نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر دہائی دی، اس پر کچھ نیک دل افراد نے مظلومین کی حمایت و تحفظ کی خاطر آپس میں ایک عہد و پیمان کیا جس کی اہم دفعہ یہ تھی۔

لنکونن مع المظلوم حتی یودی الیہ حقہ ما بل بحر صوفۃ ۹

''جب تک دریا میں صوف بھگونے کی شان باقی ہے ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے حتیٰ کہ اس کا حق ادا کیا جائے اور معاش میں ہم (اس کی) خبرگیری و غم خواری بھی کریں گے''

یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے معروف ہے، آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک ابھی صرف پندرہ برس ہی تھی مگر مکہ میں امن و امان کی بحالی کے لیے آپ ﷺ اس میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ کو اس معاہدے کا انعقاد اس قدر عزیز تھا کہ اپنی بعثت کے بعد بھی اسے یاد کرکے فرمایا کرتے تھے۔

میں ابن جدعان کے گھر جس معاہدے میں شامل تھا، اگر اس کے مقابلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو قبول نہ کرتا اور آج بھی اس قسم کے معاہدے میں شرکت کی دعوت دی جائے تو قبول کرنے میں تامل نہ کروں۔ ۱۰

آپ ﷺ کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فتنہ و فساد سے کتنے متنفر اور امن و سلامتی کے کس قدر متمنی تھے۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس اس بارے میں فرماتے ہیں:

عرب جیسے بے آب وگیاہ، شتر بے مہار، غیر مہذب اور فتنہ پرور ملک میں مذکورہ مقاصد کی انجمن کا اس شان کے ساتھ قائم ہونا ایک بالکل نئی بات اور نیا واقعہ تھا جس کے روح رواں پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی تھی، ورنہ جہاں کوئی آئین اور نظم و نسق نہ ہو اور لوگ خود خرابیوں اور برائیوں میں غرق ہوں وہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس انجمن نے بڑا شان دار کام کیا اور ملک کو اس سے بہت فائدہ پہنچا، انجمن کا قیام دراصل حضور ﷺ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ جو آپ ﷺ کے شان دار مستقبل کی غمازی کررہا تھا۔ ۱۱

حجر اسود کے تنازعہ تنصیب کا تصفیہ

آپ ﷺ کی بعثت سے تقریباً پانچ سال قبل قریش نے خانہ کعبہ کی نئے سرے سے تعمیر شروع کی جس کی عمارت عرصہ دراز سے بوسیدہ ہو چکی تھی۔ تعمیر کے لیے الگ الگ ہر قبیلے کا حصہ مقرر تھا۔

تعمیر شروع ہوئی، جب عمارت حجر اسود تک بلند ہوچکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف کسے حاصل ہو، یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرزمین حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا۔ آخر یہ طے پایا کہ مسجد حرام کے دروازے سے اگلے روز جو سب سے پہلے داخل ہو اسے اپنے جھگڑے کا حاکم مان لیں۔ اللہ کی مشیت کہ دوسرے دن سب سے پہلے آپ ﷺ تشریف لائے، لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر پکار اٹھے کہ "یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ہیں۔" آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ایک چادر کے بیچ میں حجر اسود رکھا اور متنازعہ سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں، انھوں نے ایسا ہی کیا، جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی مقرر جگہ پر رکھ دیا۔[۱۲] آپ ﷺ کی اس حسن تدبیر سے عرب قبائل ایک بڑے تنازعہ اور خون خرابے سے بچ گئے۔

مکہ مکرمہ سے جب آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو یہاں بھی قبائلی نظام مروج تھا، عرب اوس و خزرج کے بارہ قبائل میں بٹے ہوئے تھے، اور یہودی بنونضیر اور بنو قریظہ کے دس قبائل میں، باہم نسلوں سے لڑائی جھگڑے چلے آرہے تھے۔[۱۳] اس داخلی انتشار کے علاوہ مشرکین مکہ کی عداوت و جارحیت بدستور قائم تھی، انہوں نے مدینہ کے ایک سردار عبداللہ بن ابی کو اس بارے میں خط لکھا کہ:

> آپ نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے، اس لیے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجیے، یا اسے نکال دیجیے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کرکے آپ کے سارے مردان جنگی کو قتل کردیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کرڈالیں گے۔[۱۴]

ان حالات کے پیش نظر آپ ﷺ نے یہاں پر آتے ہی قیام امن کے لیے فکر فرمائی اور ہجرت کے چند ہی ماہ بعد ایک ایسا نوشتہ مرتب فرمایا، جسے مدینہ کے تمام لوگوں نے تسلیم کیا۔ میثاق مدینہ کے نام سے معروف اس دستاویز کی ترپن (۵۳) دفعات ہیں، جس میں داخلی طور پر قیام امن اور خارجی جارحیت کی صورت میں تمام فریقوں کی جانب سے متحدہ طور پر دفاع کا معاہدہ کیا گیا۔

اس دستاویز میں اس امر کو یقینی بنایا گیا کہ یثرب کا علاقہ محترم رہے گا، پڑوسی کو اپنی جان کی مانند سمجھا جائے گا، اسے نہ کوئی ضرر پہنچنا چاہیے اور نہ اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنا چاہیے۔[۱۵] اس معاہدہ میں شامل یہودی قبائل کے جان و مال کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا گیا، چنانچہ معاہدہ کی ایک

دفعہ یہ ہے کہ" اور یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی، نہ ان پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔"[۱۶] اور یہ کہ اس معاہدہ کے شرکاء کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ایک دوسرے کی خیرخواہی پر کار بند رہیں گے، ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔[۱۷] اس معاہدے کی رو سے تمام فریق اس بات کے پابند ہوگئے کہ اس (شہرمدینہ) کی حرمت برقرار رکھنے کے لیے اگر خون بھی بہانا پڑے تو وہ گریز نہیں کریں گے۔ سیاسی لحاظ سے اس دستور نے مدینہ طیبہ کی حدود میں قیام پذیر اقوام کو اختلاف مذاہب کے باوجود ایک وحدت قرار دیا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :

اصل میں یہ شہر مدینہ کو پہلی دفعہ" شہری مملکت" قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔[۱۸]

محمد حسین ہیکل کے بقول:

یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت رسول اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا جس سے شرکائے معاہدہ میں ہرگروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا اور انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔"[۱۹]

اس تاریخی معاہدے کی بدولت بقول سرولیم میور لکھتے ہیں:

But a statesman of unrivalled powers, who in an age of utter hopeless disintegration,with such materials and such polity as God put ready to his hands, set himself to the task of reconstructing a State, a commonwealth, a society, upon the basis of universal humanity.[20]

ترجمہ: بلکہ (آپؐ) ایک عدیم المثال مدبر تھے جس نے ایک مکمل اور یاس انگیز تشتت کے زمانے میں اس سازوسامان اور سیاسی تدبر سے جو خدا نے اسے عطا کیا تھا ایک سلطنت، ایک دولت عامہ، ایک معاشرے کی از سر نو تعمیر کا کام سنبھالا۔

مولانا صفی الرحمٰن کے بقول:

آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ مدینہ اور اس کے گردو پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہوجائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلوپسندی سے بھری دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔[۲۱]

آنحضرت ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعے یثرب اور قرب و جوار میں تو قیام امن کے لئے

دستور مرتب فرمالیا مگر عرب کے دیگر قبائل کی جانب سے ابھی کوئی اطمینان نہیں تھا اور قریش کی جانب سے لوگوں کو مسلمانوں کی مخالفت پر ابھارا جارہا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے کئی اور قبائل سے ایسے معاہدے فرمائے جن میں عموماً برابری کی بنیاد پر فریقین کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی، ان معاہدوں کی مختصر روداد یہ ہے۔

١- معاہدہ جہینہ

جُہینہ کا قبیلہ مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ ہجرت کے سات ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں حضرت حمزہؓ کی قیادت میں تیس مہاجرین کا ایک دستہ قریش کے تین سو افراد پر مشتمل ایک قافلے کی ناکہ بندی کے لئے روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر قریش کے قافلے سے تو مقابلہ نہ ہوسکا، البتہ قبیلہ جہینہ کی مختلف شاخوں کے ساتھ معاہدے کیے گئے، ان میں سے بنی زرعہ وبنی الربعہ کے لیے یہ تحریر ہوا:

" انهم آمنون على انفسهم واموالهم، وان لهم النصر على من ظلمهم او حاربهم الا فى الدين والاهل، الاهل باديتهم من بر منهم واتقى ما لحاضرتهم والله المستعان" ٢٢

ترجمہ: کہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال میں امان ہے۔ جو شخص ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی سوائے اس کے کہ وہ ظلم و جنگ دین یا اہل و عیال کے بارے میں ہو۔ ان کے خانہ بدوشوں میں سے جو نیکوکار اور پرہیز گار ہوگا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ان شہریوں کے ہیں ۔اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔ ٢٢

اس قبیلے کی دیگر شاخوں مثلاً بنی جرمزبن ربیعہ اور بنی شخ وغیرہ کے لیے بھی امن نامے تحریر کیے گئے " انهم آمنون ببلادهم، ولهم ما اسلموا عليه" ٢٣

اس قسم کے معاہدوں سے ان قبائل کو تحفظ فراہم کرنے کے علاوہ خود انہیں بھی پر امن رہنے کا پابند کیا گیا۔ عرب میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا عام ماحول تھا، اور قریش کے اکسانے پر خطرہ مزید بڑھ گیا تھا، چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے رفقاء مدینہ تشریف لائے اور انصار نے انہیں پناہ دی تو سارا عرب ان کے خلاف متحد ہوگیا، چنانچہ یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے ٢٤ اور قریش نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا " تم مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے، ہم یثرب میں پہنچ کر

تمہارا ستیا ناس کیے دیتے ہیں۔ ۲۵ ان حالات میں آپ ﷺ نے ایک تو مدینہ کے قرب و جوار میں آباد قبائل سے معاہدے فرمانے شروع کیے، اور دوم یہ کہ قریش کی کھلی عداوت و جارحیت کے سدباب کی خاطر اب قوت کا استعمال ناگزیر جانا۔ چنانچہ ان کے تجارتی قافلوں کو جو مدینہ کے قریب سے ہو کر شام کو جاتے تھے، روکنا شروع کردیا تاکہ قریش کی معاشی ناکہ بندی کرکے انہیں جارحانہ اقدامات سے باز رکھا جاسکے۔ چنانچہ معاہدہ ابوا اسی سلسلہ میں کیا گیا۔

معاہدہ ابوا

صفر ۲ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ ابوا کے سلسلے میں ودان نامی مقام پر پہنچے۔ یہ مقام مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے، یہاں پر بنوضمرہ آباد تھے، مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع یہ مقام تجارتی قافلوں کی گزرگاہ کی حیثیت سے بہت اہم تھا، آپ ﷺ نے بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ یہ معاہدہ فرمایا۔

علی ان لا یغزوا بنی ضمرة ولا یغزو ہ، ولا یکثروا علیه جمعاً، ولا یعینوا عدواً، وکتب بینه و بینهم کتباً ۲٦

ترجمہ: یعنی کہ نہ آپؐ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ وہ آپؐ سے لڑیں گے، اور نہ آپؐ کے خلاف لشکر جمع کریں گے، اور نہ دشمن کی مدد کریں گے۔

ان معاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان قبائل سے برابری کی سطح پر مصالحت فرمائی تھی، یعنی انہیں تحفظ کی ضمانت دینے کے بعد ان کو بھی پرامن رہنے کا پابند فرمایا، دوم یہ کہ ان معاہدات میں کسی پر مسلمان ہونے کی شرط نہیں رکھی۔ آپ ﷺ کا مدنی دور اس قسم کے معاہدات سے بھرا ہوا ہے۔ بقول قاضی سلمان منصور پوری:

اس مبارک ارادے کی تکمیل کے لیے اگر کافی وقت مل جاتا تو دنیا پر آشکارا ہوجاتا ہے کہ رحمت اللعالمین دنیا میں تلوار چلانے کو نہیں بلکہ صلح پھیلانے اور امن قائم کرنے کے لیے آیا ہے'' ۲۷

معاہدہ بواط

ربیع الاول ۲ھ کو آپ ﷺ بواط تشریف لے گئے۔ بواط اور رضویٰ کوہستان جہینہ کے سلسلے کے دو پہاڑ ہیں جو درحقیقت ایک ہی پہاڑ کی دوشاخیں ہیں، یہ مکہ مکرمہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل ہے اور مدینہ سے ۴۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ ۲۸ اس مہم میں مقصود قریش کے ایک تجارتی

قافلے کا مقابلہ تھا جس میں امیہ بن خلف سمیت قریش کے ایک سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے، اس قافلے سے تو ملاقات نہ ہوسکی، البتہ آپ ﷺ نے کوہ بواط میں آباد لوگوں سے معاہدہ فرمایا تاکہ یہ بھی میثاق مدینہ میں شامل اور اس کے پابند ہوں۔ ۲۹

معاہدہ بنواشجع

بنواشجع قبیلہ بنوغطفان کی ایک شاخ تھی، یہ لوگ تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے، ان کا ایک وفد مدینہ طیبہ آیا، اور آپؐ نے ان سے معاہدہ فرمایا، جس میں یہ تحریر ہوا:

ھٰذا ما حالف علیہ نعیم بن مسعود بن رخیلہ الاشجعی حالفہ علی النصر والنصیحۃما کان احد مکانہ ما بل بحر صوفۃ۳۰

ترجمہ: یہ وہ حلفی معاہدہ ہے جو نعیم بن مسعود بن رخیلہ الاشجعی نے کیا ہے، کہ انہوں نے مدد و خیر خواہی پر اس وقت تک کے لیے حلفی معاہدہ کیا ہے، جب تک کوہ احد اپنے مقام پر رہے اور سمندر ایک بال کو بھی تر کر سکے (یعنی دائمی)۔

بنوغطفان بڑے سرکش قبائل تھے اور مسلمانوں کے خلاف قریش کے اتحادی تھے۔ غزوہ خندق میں مسلمانوں کے خلاف یہ بھی چڑھ آئے تھے۔ لہٰذا ان کی کسی شاخ کو مصالحت پر آمادہ کرنا مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔

معاہدہ بنوغفار

یہ قبیلہ بنوضمرہ کی ایک شاخ تھا اور ملک شام کو جانے والے تجارتی راستے پر بدر کے قریب آباد تھا۔ یہ قبیلہ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی میں مشہور تھا۔ ۳۱ حضرت ابوذرغفاری کا تعلق اسی قبیلے سے تھا جو ہجرت سے قبل اسلام لا چکے تھے، اس قبیلے سے غزوہ بدر کے زمانے میں معاہدہ ہوا۔ ۳۲

عیینہ بن حصن سے معاہدہ

ربیع الاول ۵ھ میں آپ ﷺ نے دومۃ الجندل کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ شام کی سرحد کے قریب دومۃ الجندل کے مقام پر آباد قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے گزرنے والی اشیاء لوٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی جمعیت فراہم کرلی ہے۔ ان اطلاعات کے پیش نظر آپ

ﷺ نے ایک ہزار مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ کوچ فرمایا۔۳۳

اہل دومۃ تو آپ ﷺ کے پہنچنے سے قبل ہی منتشر ہوگئے، واپسی پر آپ ﷺ نے قبیلہ فزارہ کے سردار عینیہ بن حصن سے یہ معاہدہ فرمایا:

"فوادع رسول اللہ ان یرعی بتغلمین الی المراض و کان ما ھنالک قد اخصب بسحابۃ وقعت، فوادعہ رسول اللہ ان یرعی فیما ھنالک"۳۴

ترجمہ: اور اجازت دی کہ وہ تغلمین سے المراض تک اپنے مویشی چرائے۔ یہ جگہ مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر تھی۔ اس اجازت کا سبب یہ تھا کہ اس کا اپنا علاقہ قحط اور خشک سالی کا شکار تھا۔ فزارہ قبیلے کے دس ہزار جو ان اس کے زیر فرمان تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کی تالیف قلب اور دل جوئی کے لیے آنحضرت ﷺ نے مالی امداد بھی فرمائی تھی۔ اسے معزز احمق کہا جاتا تھا۔ یہ ایک دفعہ بغیر اجازت کے آپ ﷺ کے حجرہ میں داخل ہوگیا اور بے ادبی سے پیش آیا مگر آنحضرت ﷺ نے اس لا ابالی پن کو بھی برداشت فرمایا۔۳۵ اس کے ساتھ یہ تمام مراعات اسے پر امن رکھنے کی خاطر ہوتی رہیں۔

روسائے غطفان سے معاہدہ

غزوہ احزاب میں قریش کے ساتھ بنوغطفان بھی شریک تھے جس سے مسلمانوں پر کافی دباؤ تھا لہٰذا آنحضرت ﷺ نے احزابی لشکر میں سے عینیہ بن حصن فزاری اور حرث بن عوف کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ دونوں اپنے اپنے رفقاء کو لے کر آپ ﷺ سے الجھے بغیر واپس چلے جائیں تو ان کو مدینہ کے پھلوں کا ایک تہائی حصہ دیا جائے گا جس پر یہ راضی ہوگئے۔ اس معاہدے کی تکمیل سے قبل آپ ﷺ نے اوس و خزرج کے سردار سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ سے رائے طلب فرمائی تو سعدؓ نے عرض کیا:

"قد کنا نحن و ھولاء القوم علی الشرک باللہ و عبادۃ الاوثان وھم لا یطمعون ان یاکلوا منھا ثمرۃ الا قری او بیعا"

ترجمہ: جب ہم اور غطفان دونوں فریق اللہ کے ساتھ شرک کرتے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے تب تو ان لوگوں کو ہماری پیداوار سے یہ توقع نہ تھی، اگر کبھی وہ ہمارے خرما کھاتے تو مہمان کی حیثیت

سے یا خرید کر۔

افحین اکرمنااللہ بالاسلام و اعزنا بک و به نعطیهم اموالنا،

ترجمہ: لیکن آج جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام اور آپؐ کی ذات دوگونہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اورہم انھیں خراج میں اپنی پیداوار پیش کریں گے۔

واللہ لا نعطیهم الا السیف حتی یحکم اللہ بیننا و بینهم،

ترجمہ: بخدا ان کے لیے خراج میں ہماری طرف سے تلوار کے سوا کچھ نہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔

قال رسول اللہﷺ فانت و ذاک! فتناول سعد بن معاذؓ الصحیفة فمحا ما فیها من الکتاب''۳۶

رسول اللہﷺ نے سعدؓ سے فرمایا: ''یہ آپ کی ملکیت ہے اور آپ مختار ہیں''، تب سعدؓ نے مسودہ سے یہ تحریر مٹا دی۔

آنحضرتﷺ یہ معاہدہ مسلمانوں پر احزابی لشکروں کے دباؤ کی وجہ سے کرنا چاہتے تھے، مگر انصار کے عزم وحوصلے کو دیکھ کر یہ کوشش ترک فرمادی اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو منتشرکرکے اہل اسلام سے جنگ کی مصیبت ٹال دی۔

سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ

سنہ ۶ھ کو آپﷺ نے کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو ان سے مصالحت کا یہ نوشتہ عطافرمایا۔

''ان لهم ما تحت ایدیهم من قلیل و کثیر من بیعهم و صلواتهم و رهبانیتهم، و جواراللہ و رسوله لا یغیر اسقف من اسقفیته، ولا راهب من رهبانیته، ولا کاهن من کهانیته ولا یغیر حق من حقوقهم، ولا من سلطانهم، ولا شیء مماکانوا علیه مانصحوا و اصلحوافیما علیهم غیر مثقلین بظلم ولا ظالمین، و کتب مغیره''۳۷

ترجمہ: جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، نمازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسولﷺ کے ہمسایہ ہیں وہ سب ان ہی عیسائیوں کی رہیں گی، نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائیگا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز

میں جس پر وہ تھے، جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں ان کی اصلاح کریں گے تو نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا اور نہ وہ خود ظلم کریں گے۔ مغیرہؓ نے اسکے قلمبند کیا۔

سید امیر علی اس معاہدے کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس دستاویز کی رو سے عیسائیوں کو چند ایسی استثنائی مراعات حاصل ہوئیں، جو انہیں اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے تحت بھی نصیب نہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اعلان کردیا کہ اس دستاویز میں جو احکام مندرج ہیں اگر کوئی مسلمان ان کی خلاف ورزی کرے گا یا ان سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا تو اسے معاہدہ الٰہی سے روگردانی کرنے والا، اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا اور اس کے دین کی تذلیل کرنے والا تصور کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے عیسائیوں کی حفاظت، ان کے گرجاؤں اور ان کے پادریوں کے مکانوں کی پاسبانی اور انہیں ہر طرح کی گزند سے بچانے کی ذمہ داری اپنی ذات پر بھی اور اپنے متبعین پر بھی عائد کی، ان پر کوئی ناجائز ٹیکس نہ لگائے جائیں گے، ان کا کوئی پادری اپنے علاقے سے نہ نکالا جائے گا، کسی عیسائی کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، کسی راہب کو اس کے راہب خانے سے خارج نہ کیا جائے گا، جن عیسائی عورتوں نے مسلمانوں سے شادی کررکھی تھی ان کو یقین دلایا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہنے کی مجاز ہوں گی اور اس بارے میں ان پر کوئی جبر نہ کیا جائے گا، اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمت کے لئے یا اپنے مذہب کے کسی اور امر کے بارے میں امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان انہیں امداد دیں گے، اس امداد کو ان کے مذہب میں شریک ہونے سے تعبیر نہ کیا جائے گا بلکہ اسے حاجت مندوں کی حاجت براری اور خدا اور رسول ﷺ کے ان احکامات کی اطاعت سمجھا جائے گا جو عیسائیوں کے حق میں صادر کیے گئے تھے، اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے برسر جنگ ہوں گے تو مسلمانوں کی حدود کے اندر رہنے والے کسی عیسائی سے اس کے مذہب کی بنا پر حقارت کا برتاؤ نہ کیا جائے گا، اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب تصور ہوگا۔ ۳۸

آنحضرت ﷺ کی مذہبی رواداری اور انسانی ہمدردی کو تسلیم کرتے ہوئے یورپ کا مشہور مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے:

”عیسائی رعایا کے لیے محمد ﷺ نے بلاتامل ان کے جان و مال کا تحفظ، پیشہ کی آزادی اور مذہبی رواداری کی ضمانت دی“۔ ۳۹

صلح حدیبیہ

ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے چودہ سو مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا اور ستر اونٹ بغرض قربانی ساتھ لیئے۔ ۴۰ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے دو میل پہلے

عسفان پہنچے تو آپ ﷺ کو بنوکعب کے بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ قریش مسلمانوں کی آمد سے آگاہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ آپ ﷺ کو کعبہ کی زیارت کی اجازت نہیں دیں گے ''یعاھدون اللہ لا تدخلھا علیھم ابدا۔ ''[41] اس خبر پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دائیں طرف سے مقام حمض کی پشت پر ہو کر ثنیۃ المرار کے راستے سے مکہ کے نیچے کی طرف حدیبیہ میں اتر چلو، چنانچہ تمام لشکر اس راستے سے مقام حدیبیہ میں آ گیا۔[42] حدیبیہؔ میں آتے ہی سفارتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں، قریش نے پہلے مکرز بن حفص کو آپؐ کے پاس بھیجا، آپ ﷺ نے اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا، مکرز کے بعد قریش نے حُلیس یا ابن زمان کو بھیجا، اس نے مسلمانوں کے پاس قربانی کے جانور دیکھ کر قریش کو مسلمانوں کی غرض سے آگاہ کیا مگر قریش نہ مانے، پھر انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا، عروہ نے رسول اکرم ﷺ سے مسلمانوں کی آمد کا مقصد سن کر کہا:

''ای محمد، ارایت لو استاصلت قومک ھل سمعت باحد من العرب اجتاح اھلہ قبلک؟ وان تکن الاخریٰ فواللہ انی لاری اوباشامن الناس خلیقا ان یفروا ویدعوک،،[43]

ترجمہ: اے محمد ﷺ کاش تو اپنی قوم سے تعلق قائم رکھتا، کیا تو نے سنا ہے کہ عربوں میں سے کسی نے تجھ سے قبل اپنے اقارب سے اعراض کرلیا ہو، اللہ کی قسم میں ایسے چہروں اور ایسے چھوٹے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جو بھاگ جائیں گے اور تجھے چھوڑ جائیں گے۔

پھر مسعود نے واپس جاکر قریش کو بھی سمجھانے کی کوشش کی۔قریش کے کئی سفرا کی آمدورفت کے بعد آنحضرت ﷺ نے خراش بن امیہؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا، قریش نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور خود انہیں بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر احابیش کی مداخلت پر وہ ایسا نہ کر سکے۔[44] اسی رات قریش نے چالیس یا پچاس آدمی رسول اللہ ﷺ کے لشکر کی طرف بھیجے تاکہ اگر آپ ﷺ کے صحابہؓ میں سے کوئی شخص ان کے ہاتھ لگ جائے تو اسے پکڑ لائیں، ان احمقوں نے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کیے، صحابہ اکرمؓ نے انہیں گرفتار کرکے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے انہیں معاف کرکے آزاد کردیا۔[45] ان مشرکین کے تیر لگنے سے زنیم نامی ایک مسلمان شہید بھی ہوگیا۔[46] مگر آپ ﷺ نے مصالحت کی کوشش جاری رکھی اور اس مرتبہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو مکہ بھیجا تاکہ وہ انہیں بتادیں کہ آپ ﷺ جنگ کے لیے نہیں بلکہ صرف زیارت کے لیے آئے ہیں۔[47] حضرت عثمانؓ نے قریش کو آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو ابوسفیان وغیرہ نے ان سے کہا کہ

اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں فرمائیں گے میں بھی نہیں کرسکتا۔ اس جواب پر قریش نے آپ کو روک لیا اور مسلمانوں میں خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک مشرکوں سے عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لوں۔ اس وقت آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بیعت کے لیے بلایا، جو ایک درخت کے سائے میں ہوئی اور یہی بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ [۴۸] بعدازاں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا اور سہیل بن عمرو کو مذاکرات کے لیے بھیجا اور معاہدہ امن طے پایا جس کی شرائط یہ تھیں:

۱۔ فریقین میں دس سال تک لیے جنگ کرنا ممنوع ہے۔

۲۔ ان دس سالوں میں اگر یاران محمد ﷺ مندرجہ ذیل تین اغراض میں سے کسی ایک کے لیے مکہ میں آئیں تو اہل مکہ پر ان کی جان اور مال کی ذمہ داری ہے۔
(الف) حج کے لیے (ب) عمرہ کے لیے (ج) تجارت کے لیے۔

۳۔ اگر قریش تجارت کے لیے مدینہ کی راہ سے مصر یا شام کی طرف جائیں تو مسلمان ان کی جان اور مال کے ذمہ دار ہوں گے۔

۴۔ اہل مکہ میں جو شخص اپنے خاندانی سربراہ کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو محمد ﷺ پر اس کا مکہ لوٹا دینا واجب ہوگا۔

۵۔ اگر کوئی شخص مدینہ میں سے اسلام ترک کرکے مکہ میں پناہ گزیں ہو تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

۶۔ ان قبائل میں سے جو قبیلہ اہل مکہ کے ساتھ معاہدہ رکھنا چاہے تو وہ اُسے اختیار ہے اور اگر کوئی قبیلہ محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے تو وہ بھی آزاد ہے۔

۷۔ اس مرتبہ محمد ﷺ اور آپ کے ہمراہیوں کو عمرہ کیے بغیر واپس لوٹنا ہوگا۔

۸۔ آئندہ سال وہ مکہ میں عمرہ کے لیے آنے کے مجاز ہیں۔

۹۔ ان کے داخلے پر قریش اور ان کے ہمسائے شہر خالی کر دیں گے۔

۱۰۔ مسلمان اپنے ساتھ صرف سواری کے شایان اسلحہ لا سکتے ہیں، مگر تلواریں میان میں ہوں گی نہ

کہ کسی اور غلاف میں ڈھکی ہوئی۔

۱۱۔ انہیں مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۲۔ مسلمان اس سفر میں عمرہ کے لیے ہدی کے جانور جو اپنے ہمراہ لائے ہیں، وہ منیٰ میں جا کر ذبح نہیں کیے جا سکتے، یہ مسلمان جانیں اور ان کی ہدی اور ان کا مذبح۔[۴۹]

معاہدہ کے بعد آنحضرتﷺ نے جانوروں کی قربانی وہیں کردی، سرمنڈایا اور مدینہ واپس ہوئے۔ معاہدہ کی رو سے عمرہ کیے بغیر واپسی اور معاہدہ کی چھٹی شرط مسلمانوں پر بہت شاق تھی، مگر آنحضرتﷺ کے حکم سے سب نے برداشت کیا،اگرچہ یہ معاہدہ ظاہراً مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر نہ تھا مگر حقیقت میں بہت اہم تھا، کہ آپﷺ نے اسلام کے سب سے بڑے مخالف قریش مکہ کو باالآخر مصالحت پر آمادہ کرلیا تھا۔زہری کہتے ہیں:

> **فما فتح فی الاسلام فتح قبله کان اعظم منه، انما کان القتال حیث التقی الناس**[۵۰]
>
> ترجمہ: اس صلح سے بڑھ کر پہلے اسلام میں کوئی فتح نہیں ہوئی کیونکہ جنگ موقوف ہوگئی تھی، لوگ گفتگواور مباحثہ میں مشغول ہوئے تھے، جس میں بھی کچھ عقل ہوتی وہ اسلام قبول کر لیتا۔

صلح حدیبیہ آنحضرتﷺ کا ایسا کارنامہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کے نام سے یاد فرمایا ہے۔[۵۱] اس صلح کے بعد قریش کے ساتھ باہمی اختلاط کا دروازہ کھلا، لوگوں نے جوق درجوق اسلام قبول کرنا شروع کیا، قریش کے بڑے اہم اشخاص مشرف بہ اسلام ہوئے، جن میں خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول:

> اسی صلح سے آنحضرتﷺ کو یہ فائدہ ہواکہ خارجہ سیاست کے لیے ہاتھ کھل گئے اور خطرے کے مرکز خیبر کو مہینے بھر میں ہمیشہ کے لئے مٹا دیاگیا۔[۵۲]

معاہدہ خزاعہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر بنوخزاعہ نے اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں اور بنو بکر نے قریش کے عقد و عہد میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔[۵۳] اس موقع پر آپﷺ نے عبد المطلب کے بنوخزاعہ کے ساتھ پرانے حلف نامے کی تجدید بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کی ہر حلیفی کو اسلام مضبوط تر ہی کرتا ہے۔[۵۴]

معاہدہ خیبر

خیبر میں یہود آباد تھے جو مسلمانوں کے ساتھ عداوت میں قریش سے کسی طرح بھی کم نہ تھے۔ اس خطرے کا انسداد ضروری تھا، لہٰذا قریش سے مطمئن ہونے کے بعد محرم ۷ھ میں آپ ﷺ نے خیبر کا رخ فرمایا۔ یہاں کے باشندے کچھ عرصہ تک آپ کے مقابلے پر جمے رہے اور مہینہ بھر ان کا محاصرہ جاری رہا، پھر انہوں نے اس شرط پر صلح کرلی کہ ان کے خون معاف کیے جائیں اور ان کے اہل و عیال قید نہ کیے جائیں، وہ (خیبر کی) زمین سے جلا وطن ہوجائیں گے، وہ اس کے عوض سونا چاندی اور مال و اسباب سب مسلمانوں کے لیے چھوڑ جائیں گے، سوائے اس کے جو ان کے جسموں پر ہے اور یہ کہ وہ مسلمانوں سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔ ۵۵

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وبرئت منکم ذمۃاللہ و ذمۃ رسولہ ان کتمتمونی شیءً فصالحو ہ علی ذٰلک ۵۶

ترجمہ: اور اگر تم لوگوں نے مجھ سے کچھ چھپایا تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ بری الذمہ ہوں گے۔

یہود نے یہ شرط منظور کرلی اور مصالحت ہوگئی۔ اہل خیبر کی حوالگی عمل میں آچکی تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم بہترین مزارعین ہیں، اس لیے ہمیں یہیں رہنے دیا جائے۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی اور ان سے پھلوں اور غلے کی نصف بٹائی پر معاہدہ فرمایا۔ ۵۷ یعنی جب انہوں نے محاذ آرائی ترک کرکے اطاعت قبول کرلی تو آپ ﷺ نے انہیں وہیں برقرار رکھا۔

معاہدہ فدک

غزوہ خیبر کے دوران حضور ﷺ نے ایک صحابی محیصہ بن مسعودؓ کو اہل فدک کے پاس بھیجا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ ۵۸ یہ لوگ بھی یہودی تھے، انہوں نے اسلام تو قبول نہ کیا البتہ مصالحت پر آمادہ ہوئے، اہل فدک کے سردار یوشع بن نون نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ ہم کو صرف ہماری جانوں کی امان دی جائے، مال و اسباب سے ہم کو سروکار نہیں۔ **ولما اتصل باھل فدک شان اھل خیبر بعثوا الی رسول اللہ یسئلونہ الامان علی ان یترکوا الاموال فاجابھم الی ذالک"۵۹**

آپ ﷺ نے ان کی یہ پیشکش قبول فرمائی اور اہل خیبر کی طرح نصف بٹائی پر صلح ہوگئی۔ ۶۰

اور فدک کی زمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیئے ہوگئی کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ (یعنی یہ علاقہ دورانِ جنگ ہاتھ آیا تھا)

وکانت فدک خالصة لرسول اللہ ﷺ لانهم لم یجلبوا علیها بخیل ولا رکاب ۶۱

معاہدہ وادی القریٰ

آپ ﷺ خیبر سے فارغ ہوکر وادی القریٰ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی یہود آباد تھے اور عرب کی ایک جماعت بھی ان میں شامل تھی۔ مسلمانوں کا لشکر جب وہاں پہنچا تو انہوں نے تیر برسانے شروع کیے۔ آپ ﷺ نے بھی جنگ کے لیے صحابہ کرامؓ کی صف بندی فرمائی، جنگ سے پہلے آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے انکار کیا اور ان کا ایک فرد دعوت مبارزت دیتا ہوا آگے بڑھا اور قتل ہوا۔ اس طرح باری باری ان کے گیارہ آدمی مارے گئے۔ آپ ﷺ انہیں ہر بار دعوت اسلام دیتے رہے اور یہ سلسلہ شام تک چلتا رہا، اگلے دن انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ ﷺ نے اراضی ونخلستان ان ہی کے پاس رہنے دیئے اور ان کے ساتھ اہل خیبر جیسا معاہدہ فرمایا۔ ۶۲

معاہدہ تیما

اہل تیما نے جب یہ سنا کہ اہل وادی القریٰ مغلوب ہوگئے ہیں تو انہوں نے بھی جزیہ پر صُلح کرلی۔ وہ اپنے شہروں میں بدستور مقیم رہے اور زمینیں ان ہی کے قبضے میں رہیں۔ ۶۳ آپ ﷺ نے انہیں مصالحت کا یہ نوشتہ عطا فرمایا:

''یہ امان ہے بنی عادیٰ کے لیے، مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، اور وہ ادائے جزیہ کے ذمہ دار، ان پر ریاست کی طرف سے اور کوئی بار نہ ڈالا جائے اور نہ انھیں جلا وطن کیا جائے، بغاوت اور فرمان برداری دونوں کی وضاحت کر دی گئی ہے، ۔محرر خالد بن سعید۔ ۶۴

فتح مکہ اور عفو عام

صلح حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف جنگ میں بنو بکر کی مدد کی۔ بنو خزاعہ نے آپ ﷺ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا، آپ ﷺ کو دلی صدمہ ہوا اور اپنا ایک قاصد قریش کے پاس بھیجا کہ ذیل کی شرائط میں

سے کوئی ایک قبول کر لیں:

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔

۲۔ بنی بکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

۳۔ صلح حدیبیہ کے توڑنے کا اعلان کر دیں۔

قریش نے تیسری شرط مان لی، مگر بعد میں پشیمان ہوئے اور ابو سفیان کو صلح کی بحالی کے لیے مدینہ بھیجا، لیکن آپ ﷺ نے تجدید معاہدہ سے انکار فرما دیا اور دس ہزار کے لشکر کے ساتھ ۱۰ رمضان بمطابق یکم جنوری ۶۳۰ء مکہ کے لیے انتہائی مخفی طریقہ سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے قریب مرظہران پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ابو سفیان تحقیق حال کے لیے مکہ سے باہر نکلا تو اس کی ملاقات حضرت عباس بن عبد المطلب سے ہو گئی جو انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اسے قتل کرنے پر تیار ہوگئے مگر آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، اور ارشاد فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فهو آمن ومن اغلق عليه بابه فهو آمن ومن دخل المسجد فهو آمن ۶۵

ترجمہ: جو ابو سفیان کے گھر داخل ہوگا اسے امن ملے گا، جو اپنا دروازہ بند کرے گا اسے امن ملے گا، اور جو مسجد حرام میں داخل ہوگا وہ بھی مامون ہوگا۔

پھر جب اسلامی لشکر مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوگیا تو آپ ﷺ نے مسجد حرام میں موجود قریش کے مجمع سے خطاب فرمایا:

''اے گروہ قریش، میں تمہارے بارے میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے متعلق تم کیا رائے رکھتے ہو؟''

سب نے کہا: بہتر رائے رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

فرمایا: '' **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین** '' ۶۶

ترجمہ: آج کے دن تم پر کسی طرح کا الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے جو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو قریش پر مکمل اختیار حاصل ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ ان کے بے انتہا مظالم کا انتقام لے سکتے تھے، مگر ان پر قابو پانے کے بعد آپ ﷺ نے انھیں عام معافی دے کر ان کے دل

جیت لیے، جس کے باعث نہ صرف قریش عداوت چھوڑ کر مشرف بااسلام ہوئے، بلکہ انہیں دیکھ کر دیگر عرب قبائل بھی محاذ آرائی کے بجائے جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

معاہدہ تبالہ و جرش

جرش طائف کے جنوب میں یمن کا ایک اہم مقام تھا۔ اہل تبالہ و جرش نے بغیر جنگ اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسی حالت پر برقرار رکھا، اور ان میں سے جو اہل کتاب تھے، ان کے ہر بالغ پر ایک دینار (جزیہ سالانہ) مقرر فرمایا اور یہ شرط لگائی کہ وہ مسلمانوں کی ضیافت کیا کریں گے (جب مسلمانوں ان کے ہاں جائیں گے) اور ابوسفیان بن حرب کو جُرش کا حاکم مقرر فرمایا۔ ٦٧

معاہدہ ثقیف

بنو ثقیف عبدیالیل کی قیادت میں رمضان ۹ھ میں مدینہ آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں مسجد کے احاطہ میں ٹھہرایا، ''وانزل رسول اللہ وفد ثقیف فی المسجد ''٦٨ اور اس بات پر مصالحت فرمائی کہ اہل طائف مسلمان ہوجائیں اور اپنے اموال واملاک پر بدستور قابض رہیں اور یہ قید لگائی کہ وہ سود اور شراب سے اجتناب کریں گے، کیونکہ یہ لوگ بلا کے سود خور تھے''۔ ٦٩

معاہدہ دومۃ الجندل

اہل دومہ مدینہ آنے والے قافلوں کو پریشان کرتے تھے، لہٰذا آپ ﷺ ۵ھ کو ان کی خبر لینے تشریف لے گئے تھے مگر وہ لوگ پہاڑوں میں روپوش ہوگئے تھے۔ صلح حدیبیہ و خیبر کے بعد شام کی تجارتی شاہراہ پر امن ہوگئی تھی لیکن (دومہ کا حاکم) اکیدر جو نصرانی اور ایک خطرناک ہمسایہ تھا، ۹ھ میں جب تبوک کی مہم اختیار فرمائی گئی تو حضرت خالدؓ بن ولید کے تحت بھیجے گئے فوجی دستے نے اکیدر کو گرفتار کرکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لا حاضر کیا۔ ٧٠ آپ ﷺ نے اکیدر سے جزیہ لینا قبول کرکے مصالحت کرلی اور اسے آزاد کردیا۔ ٧١

معاہدہ ایلہ

ایلہ شام میں خلیج عقبہ کے سرے پر ایک مقام تھا۔ جب آپ ﷺ تبوک پہنچے تو ایلہ کا حاکم یحنہ بن روبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔

اتاہ صاحب ایلہ فصالحہ و اعطاہ الجزیۃ ٧٢

یہ لوگ مسیحی تھے، آپ ﷺ نے یحنہ کو مہمان کا درجہ دیا اور کمال التفات سے پیش آئے، اسے ایک عبا بھی عنایت فرمائی اور اسے یہ نوشتہ عطا فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ھذا امنۃ من اللہ و محمدنبی رسول اللہ لیحنہ بن روبۃ، و اھل ایلہ، سفنھم، و سیارتھم فی البر والبحر، لھم ذمۃاللہ، ومحمد النبی، ومن کان معھم من اھل شام، واھل یمن واھل البحر، فمن احدث منھم حدثا، فانہ لا یحول مالہ دون نفسہ، وانہ لمن اخذہ من الناس، وانہ لا یحل ان یمنعوا ماءً یردونہ، ولا طریقا یردونہ من بحر او بر"۷۳

ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر امان کی ضامن ہے جو اللہ اور محمد رسول اللہ کی طرف سے یحنہ بن روبہ اور اہل ایلہ کے لیے ان کے بری قافلوں اور بحری تجارتی جہازوں کی حفاظت کی غرض سے مرتب ہوئی ان کے لیے محمد النبیؐ کی حفاظت کا ذمہ ہے اور ان اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر کے لیے جو ان کے ساتھ ہوں، لیکن ان میں جو بھی شخص معاہدے کے خلاف کوئی نئی بات ایجاد کرے گا، اس کا مال اس کی جان بچانے میں حائل نہ ہوگا، اور وہ ہر اس شخص کے لیے حلال ہوگا جو اسے پکڑ لے گا، یہ جائز نہ ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کو کسی بھی چشمے پر جس سے وہ پانی حاصل کرنا چاہیں یا کسی بھی بری یا بحری راستے سے جس پر وہ چلنا چاہیں روکا جائے۔

اس علاقے کے ہر بالغ پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا جس کے کل تین سو دینار وصول ہوتے تھے، اور ان پر یہ شرط عائد کی گئی کہ ان کے علاقے سے جو مسلمان گزرے گا وہ اس کی مہمان داری کریں گے۔۷۴

امان نامہ برائے یہود جرباواذرح

غزوہ تبوک کے دوران اہل جربا بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ وفادار رہنے کا اعلان کیا اور ایک دینار فی کس سالانہ جزیہ دینے پر آمدگی ظاہر کی۔ ۷۵ آپ ﷺ نے اہل جربا سے جزیہ پر مصالحت فرمائی اور انہیں تحریر عطا فرمائی۔ ۷۶ اسی سفر میں اہل اذرح بھی حاضر ہوئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے ہر رجب میں سو دینار لینا منظور فرمائے۔۷۷

معاہدہ نجران

آپ ﷺ نے اہل نجران سے ۱۰ھ میں معاہدہ فرمایا۔ اور انھیں یہ امان نامہ عطا فرمایا:

"۱۔ اہل نجران کے ساتھ ان کے ہمسایہ حلیفوں کے لیے (بھی) محمدؐ نبی رسول اللہ اپنی طرف سے مندرجہ ذیل اشیاء میں تلافی کے ذمہ دار ہیں:

(الف) وطن اور وطن کے باہر ہر دو جگہوں میں ان کے اموال و نفوس کے اتلاف پر۔

(ب) ان کے مذہب اور ان کے قرابت داروں کی تذلیل و تحقیر پر۔

۲۔ ان کے پادری، گوشہ نشین اور کاہنوں پر گرفت نہ ہوگی۔

۳۔ ان کی ماتحتی کی وجہ سے ان پر کسی قسم کی کہتری عائد نہ ہوگی۔

۴۔ وہ قبل از اسلام کے قتل پر مواخذہ سے بری ہوں گے۔

۵۔ وہ ہماری جنگوں میں بھی شرکت سے مستثنیٰ ہیں۔

۶۔ ہمارا لشکر ان پر حملہ نہ کرے گا۔

۷۔ ہماری عدالت میں دعویٰ پیش کرنے پر ان سے انصاف کیا جائے گا۔

۸۔ ان میں سے جو شخص اپنے خاندان سے سود لے گا وہ ہماری ذمہ داری سے محروم ہے۔

۹۔ کسی فرد کی دوسرے فرد کے عوض میں گرفت نہ ہو گی۔

اس قرار داد کی اللہ اور محمدؐ نبی رسول اللہ کی طرف سے اس وقت تک ذمہ داری ہے جب تک اہل نجران ان تمام دفعات کے پابند رہیں"[۷۸]

جزیہ میں وہاں کی پوری آبادی پر مجموعی طور پر ایک ایک اوقیہ مالیت کے دوہزار حلے (کپڑوں کے جوڑے) مقرر کیے گئے، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں، اس میں یہ سہولت رکھی گئی کہ اگر وہ حلوں کی بجائے اسی مالیت کے گھوڑے، اونٹ یا نقدی دینا چاہیں تو بھی قبول کیا جائے گا۔[۷۹] اس دستاویز اور تاریخی منشور کے ذریعے رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم باشندوں کے حقوق کے تحفظ، ان سے حسن سلوک، رواداری اور اعتدال پسندی کی تعلیم اور ہدایات جاری کیں اور ان سے تعلقات کے رہنما اصول فراہم کیے۔

معاہدات بنی الحرقہ و بنی الجرمز

آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں عمرو بن معبد جہنی اور بنی الحرقہ و بنی الجرمز کو ایک خاص فرمان کے ذریعے ان شرائط پر امن وامان کی یقین دہانی کرائی کہ وہ اسلام قبول کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور مال گزاری بھی ادا کریں، مال غنیمت کا پانچواں حصہ مرکز کو ادا کریں، اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کر کے صرف راس المال لے کر اپنے

قرضہ جات کے سود سے دست بردار ہو جائیں۔ جو افراد اس قبیلہ میں ضم ہوں وہ بھی ان ہی مراعات کے حامل ہوں گے جو اس قبیلہ کو حاصل ہیں۔ ۸۰

خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی مصالحانہ کاوشوں اور غیر مسلم قبائل کے ساتھ معاہدوں کے انعقاد سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ ﷺ دنیا میں امن وسلامتی کا قیام چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کی غزوات و مہمات بھی قیام امن کے لیے تھیں۔ جسے غیر مسلم مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پروفیسر مونٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

> پس حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے آخری دس سالوں کو اپنے مخالفین کے خلاف فوجی جدوجہد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کا مقصد اشاعت اسلام نہ تھا بلکہ اس سے مسلمانوں کی بقا کو یقینی بنانا مقصود تھا۔۸۱

آپ ﷺ عام طور پر محاربین پر فتح پانے کے بعد ان سے انتقام لینے کے بجائے نرمی کا سلوک فرماتے، ان کے قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ فرماتے بلکہ اکثر کو رہا کر دیتے تھے۔ ۵ھ کو بنی مصطلق کے سو گھرانے قید ہوکر صحابہ کرام میں تقسیم ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا، اس شادی کی وجہ سے مسلمانوں نے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانوں کو آزاد کر دیا، کہنے لگے کہ یہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں ۔۸۲ اسی طرح غزوہ حنین میں دیگر مال غنیمت کے علاوہ چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے۔ غنیمت تقسیم ہوجانے کے بعد ہوازن کا ایک وفد مسلمان ہو کر آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ مہربانی فرما کر قیدی اور مال واپس کر دیں، جس پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کی رضامندی سے تمام قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عطا فرما کر واپس کردیا۔۸۳ آپ ﷺ کے اس حسن سلوک کے باعث یہ لوگ مخالفت کے بجائے اسلام کے مونس و مددگار بن جاتے تھے۔ دوران جنگ بھی اگر کوئی مصالحت کی صورت نظر آتی تو آپ ﷺ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مخالفین کے گزشتہ جرائم سے قطع نظر ان کے ساتھ نرم شرائط پر مصالحت فرمالیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا عظیم اسلامی انقلاب لانے کے دوران انسانی جانوں کا ضیاع بہت ہی کم ہوا، جب کہ اقوام عالم کی تاریخ میں کسی بھی جنگ میں ہزاروں انسانوں کا موت کے گھاٹ اترنا عام معمول رہا ہے۔

حوالہ جات

۱- *القرآن*، الصف ر۴۔

۲- مسلم بن حجاج، *الجامع الصحیح*، *کتاب الایمان*، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل العمل۔

۳- ایضاً، *کتاب الجہاد والسیر*، باب کراہیۃ تمنی لقاء العدوا والامر با الصبر عند القاء۔

۴- *القرآن*، المائدہ ر۳۲۔

۵- *القرآن*، البقرہ ر۱۹۳۔

۶- مودودی ابوالاعلیٰ، *اسلامی ریاست*، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۵۶۷۔

۷- *القرآن*، البقرہ ر۱۹۰۔

۸- *القرآن*، الانفال ر۶۱۔

۹- ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، *الطبقات الکبریٰ*۔ بیروت، دارالتراث العربی۔۱۹۸۵، ص ص۱، ۱۲۹۔

۱۰- محمد حسین ہیکل، *حیات محمدؐ*، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب (اردو از محمد مسعود عبدہ)، ص۱۸۵۔

۱۱- حافظ محمد یونس، ''پیغمبر اسلام کا پیغام امن و محبت''، ماہ نامہ *تعمیر افکار*، جلد اول، شمارہ نمبر ۴، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص۵۴۔

۱۲- طبری ابوجعفر، محمد بن جریر، *تاریخ الامم والملوک*، بیروت، دارالاحیاء التراث العربی، ۲۰۰۸ء، ص ص۲، ۷۸۔

۱۳- حمید اللہ، *دور نبویؐ کا نظام حکمرانی*، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۱ء، ص۷۹۔

۱۴- ابوداؤدسلیمان بن اشعث، *السنن*، باب خبرالعفیر، لاہور، اسلامی اکیڈمی، ۱۹۸۳ء، ص ص ۲، ۴۹۵۔

۱۵- محمد رضا شیخ، *محمدؐ رسول اللہ* (ترجمہ محمد عادل قدسی)، کراچی، تاج کمپنی لمیٹڈ، ص ۲۶۰۔

۱۶- قریشی محمد صدیق، *رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ*، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۷ء، ص۷۶۔

۱۷- ابوالکلام آزاد، *رسول رحمت*، کراچی، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۷۰ء، ص۲۴۶۔

۱۸- حوالہ سابقہ، حمید اللہ، *دور نبویؐ کا نظام حکمرانی*، ص۸۱۔

۱۹- حوالہ سابقہ، ہیکل محمد حسین، *حیات محمد ﷺ*، ص ۳۵۳۔

۲۰- Syed Ameer Ali, *The Spirit of Islam*, London,Christophers,1961, p. 58

۲۱- صفی الرحمٰن مبارکپوری، *الرحیق المختوم*، لاہور، مکتبہ سلفیہ، ۲۰۰۱ء، ص ۲۶۳۔

۲۲- حوالہ سابقہ، ابن سعد، ص ص۱، ۲۷۰۔

۲۳- ایضاً، ص ص۱، ۲۷۱۔

۲۴- حوالہ سابقہ، صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۲۶۷۔

۲۵- منصور پوری قاضی سلیمان، *رحمۃ للعالمین*، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۴ء، ص ص۱، ۹۸۔

۲۶- حوالہ سابقہ، ابن سعد، ص ص۲، ۸۔

۲۷- حوالہ سابقہ، منصور پوری قاضی سلیمان، ص ص۱، ۹۷۔

۲۸- حوالہ سابقہ، صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۲۷۶۔

۲۹- حوالہ سابقہ، محمد صدیق قریشی، ص ۱۹۱۔

۳۰- حوالہ سابقہ، ابن سعد، ص ص۱، ۲۷۴۔

۳۱- ذوالفقار کاظم، *صحابۂ کرام کا انسائیکلو پیڈیا*، لاہور، بیت العلوم، ص ۸۷۵۔

۳۲- قریشی محمد صدیق، *رسول اکرم کی سیاست خارجہ*، ص ۱۹۲۔

۳۳- حوالہ سابقہ، مبارکپوری صفی الرحمٰن، ص ۴۰۷۔

۳۴- طبری ابن جریر ابی جعفر محمد، *تاریخ الامم والملوک*، ص ص۲، ۳۴۱۔

۳۵- حلبی علی بن برہان الدین، *غزوات النبی ﷺ* (ترجمہ محمد اسلم قاسمی)، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء، ص ۳۱۳۔

۳۶- محمد حمید اللہ، *سیاسی وثیقہ جات*، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء، ص ص ۲۹-۳۰۔

۳۷- حوالہ سابقہ، ابن سعد، ص ص۱، ۲۶۶۔

۳۸- Syed Ameer Ali, *op.cit.*, pp. 84-85.

۳۹- Edward, Gibbon, *Decline and Fall of the Roman Empire*, London Everyman's Library, 1977, Edition, vol: v, p. 269.

۴۰- ابن قیم جوزیہ ابو محمد عبداللہ، *زاد المعاد*، پشاور، دارالاخلاص، ص ص ۲، ۵۲۶۔

۴۱- ابن ہشام ابو محمد عبدالمالک، *السیرۃ النبویہ*، کوئٹہ، مکتبہ معروفیہ، ۲۰۱۰ء، ص ص ۲، ۱۹۲۔

۴۲- ایضاً، ص ص۲، ۱۹۲۔

۴۳- ابن قیم الجوزیہ ابو محمد عبداللہ، *زادالمعاد*، ص ص ۲، ۵۲۸۔

۴۴- طبری ابن جریر، *تاریخ الامم والملوک*، ص ص۲، ۳۷۶۔

۴۵- ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، ص ص۲، ۱۹۵۔

۴۶- طبری، ابن جریر، *تاریخ الامم والملوک*، ص ص۲، ۳۷۶۔

۴۷- ابن ہشام، *السیرۃ النبویہ*، ص ص۲، ۱۹۵۔

۴۸- ایضاً، ص ص۲، ۱۹۵۔

۴۹- حوالہ سابقہ، محمد حمید اللہ، ص ص ۳۳-۳۴۔

۵۰- حوالہ سابقہ، ابن ہشام، ص ص۲، ۱۹۹۔

۵۱- اِنافتحنا لک فتحاً مبیناً (الفتح، ۱)۔

۵۲- حمید اللہ، دورنبوی کا نظام حکمرانی، ص ۲۳۰۔
۵۳- حوالہ سابقہ،ابن ہشام، ص ص ۲، ۱۹۶۔
۵۴- حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹۰۔
۵۵- البلاذری، احمد بن یحیٰی،فتوح البلدان (ترجمہ۔ ابوالخیر مودودی)، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۰ء ص ۴۸۔
۵۶- ابن قیم، زادالمعاد، ص ص۲، ۵۴۳۔
۵۷- البلاذری،فتوح البلدان، ص ۵۴۔
۵۸- حلبی علی بن برہان الدین،سیرۃ حلبیہ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص ص۵، ۱۷۰۔
۵۹- ابن خلدون عبدالرحمٰن بن محمد،تاریخ ابن خلدون، بیروت، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۹۷۱ء، ص ص۲، ۴۰۔
۶۰- البلاذری،فتوح البلدان،ص ۵۶۔
۶۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ،ص ص۲، ۲۱۰۔
۶۲- البلاذری،فتوح البلدان، ص ۶۲۔
۶۳- ایضاً، ص ۶۳۔
۶۴- محمد حمیداللہ، سیاسی وثیقہ جات، ص ۴۵۔
۶۵- ابن خلدون عبدالرحمٰن بن محمد،تاریخ ابن خلدون، ص ص۲، ۴۳۔
۶۶- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص ص۲، ۱۴۲۔
۶۷- البلاذری،فتوح البلدان، ص ۹۹۔
۶۸- ابن قیم، زادالمعاد، ص ص۳، ۶۶۲۔
۶۹- البلاذری،فتوح البلدان، ص ص ۹۴۔
۷۰- حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ص ۲۹۵۔
۷۱- حوالہ سابقہ،ابن ہشام، ص ص۲، ۳۲۹۔
۷۲- حوالہ سابقہ،ابن قیم، ص ص۳، ۶۳۹۔
۷۳- ایضاً، ص ص۳، ۶۳۹۔
۷۴- حوالہ سابقہ،البلاذری، ص ۱۰۰۔
۷۵- حوالہ سابقہ،حمید اللہ، ص ۳۴۵۔
۷۶- حوالہ سابقہ،البلاذری، ص ۱۰۰۔
۷۷- ایضاً، ص ۱۰۰۔
۷۸- حوالہ سابقہ،محمد حمیداللہ، ص ص ۹۷۔۹۸۔

۷۹- حوالہ سابقہ، البلاذری، ص ۱۰۸۔

۸۰- حوالہ سابقہ، حمید اللہ، ص، ۲۸۴۔

۸۱- William Montgomery Watt, *Islamic Fundamentalism and Modernity*, Routledge, New York, 1998, p. 98.

۸۲- حوالہ سابقہ، ابن قیم، ص ص ۲، ۵۱۴۔

۸۳- حوالہ سابقہ، صفی الرحمن مبارکپوری، ص ۵۷۲۔